ڈاکٹر سمیرا بشیر ❁

ہندو مسلم مشترکہ تہذیب اور ''میرے بھی صنم خانے''

Hindu Muslim common Civilization and *Mere bhi Sanam khane*

By *Dr. Sumera Basheer, Asst. Prof., Department of Urdu, Federal Urdu University of Arts, Science & Technology (Abdul Haq Campus), Karachi.*

ABSTRACT

Mere Bhi Sanam Khanay published in 1940 is Quraat-ul-Ain's First Novel. Despite being the first novel, one can see the maturity with reference to theme, characterization and plotting.

The Novel comprises of three Parts. In first, *Chali Jae Mori Nayya*, she has narrated the Hindu Muslim civilization.

In the Second Part, *Dhanstay Huey Sahil*, she has presented the differences between the Hindu Muslim two communities and the political views of the muslims. Whereas, in the Third section of the novel, *Manzil-e-Laila*, she has depicted the decline of the muslim elites as a result of partition. As a matter of fact, Qurat-ul-Ain wished for a united and peaceful Hindustan. Such harmony could not be maintained and as a result she experienced a severe mental shock. *Mere Bhi Sanam Khanay* depicts the creation of this state of mind.

Keywords: *Mere Bhi Sanam Khanay*, Quratul Ain Haider, Novel, Hindustan, Hindu, Muslim, Civilization.

''میرے بھی صنم خانے'' قرۃ العین حیدر کا پہلا ناول ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔اس ناول میں انھوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کے نتیجے میں آنے والی المناک تبدیلیوں، ہندو شر ناتھیوں اور ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کے بکھرنے کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ پہلا ناول ہونے کے باوجود کردار پلاٹ اور اسلوب ہر لحاظ سے

❁ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون، سائنس وٹیکنالوجی (عبدالحق کیمپس)، کراچی۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اس ناول میں جدت اور پختگی نظر آتی ہے۔

> آزادی کے بعد قرۃ العین حیدر کے دو ناولوں ''میرے بھی صنم خانے'' اور ''سفینۂ غمِ دل'' نے بلاشبہ جدت کا احساس دلایا ہے جدت محض اسلوب اور تکنیک کی سطح پر نظر نہیں آئی تھی بلکہ ان کے موضوعات بھی نئے پن سے آراستہ تھے... intellectual زبان فکری مباحث، خود کلامی، کرداروں کے داخلی کرب مل کر ایسے اسلوب کی تشکیل کرتے تھے جو ہمارے قارئین کو ناول کی ہیت اسلوب اور ماجرے میں تبدیلی کا احساس دلاتے تھے۔(۱)

''میرے بھی صنم خانے'' کے شروع کے ایڈیشن میں ناول کے عنوان کے بعد فارسی کے تین الفاظ (۱) تراشیدم (۲) پرستیدم (۳) شکستم لکھے ہیں جو اصل میں ہندو مشترکہ تہذیب کے بننے اور بگڑنے کا استعارہ ہے۔

قرۃ العین نے اس ناول میں مشترکہ تہذیب کے بکھرنے کا افسوس کیا ہے جسے بننے میں زمانہ لگا، مذہبی اختلافات ہونے کے باوجود ہندووں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے عقیدے کا احترام کیا ایک دوسرے کی خوشیوں اور غموں کے ساتھی بنے، ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی تہذیب وثقافت کو قبول کیا۔ لیکن تحریک پاکستان سے شروع ہونے والا تعصب اور نفرت قیام پاکستان تک شدت اختیار کر یا گیا اور جو ہندو اور مسلمان نفرت اور تعصب کا شکار نہ ہوئے وہ بھی ایک دوسرے کے خلوص پر شک کرنے لگے۔

> قرۃ العین حیدر نے ایک ایسی مشترکہ تہذیب کے گن گائے اور اپنے تہ دار کرداروں میں ایسی ہندوستانی شخصیات کو اجاگر کیا جن کا خمیر کئی قوموں اور نسلوں کے تہذیبی اختلاط کا مرہون منت ہے۔ وہ ہندوستانی تہذیب اور اس کے افکار و اقدار کو ایک نامیاتی وحدت کے روپ میں دیکھتی ہیں۔ اور اپنے ناولوں اور کہانیوں کے تار و پود میں ہنرمندی سے سمو دیتی ہیں۔(۲)

ناول کا عنوان قرۃ العین حیدر نے اقبال کے درج ذیل شعر سے لیا ہے:

تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی

یہ صنم خانے تہذیب کے بھی ہوسکتے ہیں اور سماجی، ثقافتی، اخلاقی اقدار کے بھی ہوسکتے ہیں، یہ صنم خانے ''آزادی سے قبل کے اس تصور کے بھی'' ہوسکتے ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جب صرف انگریزوں سے ملک کو جدا کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔[۳]

ناول کے تین حصے ہیں:

پہلا حصہ ''چلی جائے موری نیّا کنارے کنارے'' میں انھوں نے ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کو بیان کیا ہے۔ یہ مشترکہ تہذیب انھوں نے کنور عرفان کے بچوں کے ہندو اور انگریز دوستوں کے ذریعے دکھائی ہے۔

ناول کا دوسرا حصہ ''دھنستے ہوئے ساحل'' میں انھوں نے نہ صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی اختلافات کو بیان کیا ہے، بلکہ مسلمانوں کے آپس کے مختلف سیاسی نکتہ نظر کی وجہ سے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ وابستگی کو بھی بیان کیا ہے۔

> ''ان حالات میں اخوت و بھائی چارے کا درس دینے والے لوگوں کے نقطہ نظر میں تبدیلی آ گئی اور سیکڑوں برس پرانی ہندو مسلم فضا اور بھائی چارہ ختم ہو گیا۔[۴]

ناول کا تیسرا حصہ ''منزلِ لیلیٰ'' ہے۔ اس حصے میں ہندوستانی مسلمانوں کے زوال کا ذکر ہے اس سلسلے میں انھوں نے کنور عرفان کے خاندان کی تباہی کو بطور خاص بیان کیا ہے جن پر ۱۹۴۷ء کے فسادات کے گہرے اثرات ہوئے جو ان کی زندگی میں المناک تبدیلیاں لائے۔

مسلمانوں کے علاوہ ہندو شرنارتھیوں پر بھی ہندو مسلم فسادات کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

اس ناول میں انھوں نے نواب کنور عرفان کی شاہانہ زندگی کو بیان کیا ہے جو تقسیمِ ہند کے نتیجے میں تباہ ہو گئی۔ تقسیمِ ہند کے بعد نہ صرف اس کی زمینیں اور جائیداد ضبط کر لیں گئیں، بلکہ اس کا پورا خاندان بھی بکھر گیا۔ اس خاندان کی تباہی اس بات کی دلیل ہے کہ تقسیمِ ہند کے بعد ہندوؤں کا تعصب شدت اختیار کر گیا اور انھوں نے قوم پرست مسلمانوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا ان کی جائیدادیں ضبط کیں۔ انھیں خوفزدہ کیا یہاں تک کہ انھیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔

قرۃ العین نے ناول کی فضا پر خاص توجہ دی ہے۔ ناول میں نواب کنور عرفان علی کے خاندان اور ''غفران منزل'' کا مختلف سیر گاہوں، کالجوں، کلبوں، سیاسی سرگرمیوں وغیرہ میں حصہ لینے کا گہرے مشاہدے سے ذکر کیا ہے:

> ''غفران منزل'' کے شاہانہ ماحول اور رکھ رکھاو کو انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:
>
> ...اگلے روز ۲۱ مارچ تھی اور غفران منزل میں جشن نوروز منایا جانے والا تھا۔
>
> غفران منزل میں بڑے کنور صاحب مرحوم کے زمانے سے جشن نو روز ہر سال
>
> بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا اندر اور باہر دعوتیں ہوتی تھیں رنگ کھیلا جاتا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تھا۔ ہوا میں گلاب جگمگاتے تھے غفران منزل کی ساری مہریاں سال بھر اس دن کی راہ دیکھتی تھیں کہ کب وہ پی چو اور پولو بھیا پر رنگ پھینک سکیں۔(۵)

ہندو مسلم فسادات کے نتیجے میں پورے ہندوستان میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ ہر وقت پر رونق رہنے والے شہروں پر ویرانی چھا گئی اور لوگ بھی شدید خوف و ہراس کا شکار ہو گئے۔

ناول کا پلاٹ نواب کنور عرفان علی کے خاندان پر مبنی ہے۔ اس خاندان کے ذریعے تقسیمِ ہند سے قبل ہندوؤں اور مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات اور کرواہا راج کے کنور عرفان علی سمیت دوسرے جاگیرداروں کی خوش حالی کو بیان کیا ہے جو ایک عرصے تک ملک کی سیاست سے لاتعلق رہے، لیکن جب ہندو مسلم فسادات شدت اختیار کر گئے۔ کنور عرفان جیسے بااثر لوگ بھی ان فسادات کی زد سے بچ نہ سکے۔ اس ناول کے پلاٹ کے بارے میں احمد ندیم قاسمی کی رائے ہے:

> ''میرے بھی صنم خانے'' کا پلاٹ اودھ کے ایک بڑے زمیندار گھرانے کے گرد گھومتا ہے، اس گھرانے کے معمر اور بزرگ افراد گردوپیش کی زبردست سیاسی و سماجی تبدیلیوں سے بے خبر ہیں، بلکہ بے خبر رہنا چاہتے ہیں... وہ آراستہ پیراستہ ایوانوں میں صوفوں پر بیٹھ کر آتشیں انقلابی مضامین لکھتے رہ جاتے ہیں، ہوتے ہوتے تغیر پذیر حالات کے تقاضے انھیں بالکل غیر ارادی طور پر اس بحرِ ذخار میں دھکیل دیتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے جہاں سے ان کی زندگی کا، ان کے طبقے کا، ان کے ارادوں، ولولوں کا اور ان کی بڑی ہی عزیز قدروں کا ایک بے پناہ المیہ شروع ہوتا ہے۔(۶)

ناول میں نہ صرف ہندو مسلم فسادات، بلکہ تقسیم ہند کے سلسلے میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو ناول نگار نے مسلم لیگ اور ترقی پسند تحریک (کانگریس) کے مختلف نظریات کو کنور عرفان کی اولاد اور ان کے دوستوں کے کرداروں اور مسلم لیگ کے رحمت اللہ اور سیّد افتخار علی کے ساتھیوں کے ذریعے بیان کیا ہے جو اپنے نظریات صرف جلسے جلوسوں ہی میں نہیں، بلکہ اپنے رسالوں کے ذریعے دوسروں تک پہنچاتے تھے۔

> ...رحمت اللہ خاں اب ''ملّتِ بیضا'' شائع کر رہا تھا، اور یقین تھا کہ یہ اخبار ''نیوایرا'' کے مقابلے میں موجودہ حالات اور ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کہیں زیادہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> کامیاب رہے گا... ہیڈکوارٹرز کی طرف سے انھیں دیہاتوں اور قصبوں... میں جہاں اب تک قومی اور سیاسی شعور کی لہر بدقسمتی سے نہ پہنچی تھی... ان کی جماعت کی تحریک اپنی زبردست جذباتی اپیل کی وجہ سے ملک کے گوشے گوشے میں بے حد کامیابی اور تیز رفتاری کے ساتھ پھیل چکی تھی۔ (۷)

قرۃ العین حیدر نے جہاں ہندوستان سے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کی زیادتیوں کو بیان کیا ہے وہاں انھوں نے ہندو شرنارتھیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو ہندوستان میں آکر دو طبقوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ طبقہ تھا جو اپنے ملک میں آکر بھی بے یارومددگار رہا اور دوسرا طبقہ وہ تھا جنھوں نے ہندوستان میں آکر مسلمانوں سے کروڑوں کی جائیدادیں کوڑیوں کے مول خرید لیں اور انھیں ڈرا دھمکا کر اور قتل کر کے ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا اور ساری دولت اپنی عیش وعشرت میں صرف کرنا شروع کر دی۔

> ... یہ وہ لوگ تھے جنھیں شرنارتھی کہا جاتا تھا۔ ان کے بھی مختلف طبقے تھے، غریب شرنارتھی جو بالکل لوٹ کر صرف اپنی جانیں، اپنی پرانی یادیں اور اپنی بے پناہ نفرتوں کا زادِ راہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے انھیں شہر سے باہر مضافات کے کیمپوں میں رکھا گیا تھا... دولت مند شرنارتھی جو بڑے بڑے انگریزی ہوٹلوں یا کوٹھیوں میں یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ ہر وقت اسکیٹنگ کرتے، شرابیں پیتے اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو بال روم میں ناچ سکھاتے۔ (۸)

ناول کے کرداروں کا تعلق پڑھے لکھے، آزاد اور اعلیٰ طبقے سے ہے۔ اہم کرداروں میں نواب کنور عرفان علی، سلطنت آرا بیگم، پولو، پی چو، رخشندہ، کرن اور سید افتخار علی اور رحمت اللہ خان وغیرہ شامل ہیں پولو، پی چو اور رخشندہ کے دوست کرن، گنی، ڈائمنڈ، سلیم اور شہلا وغیرہ ثانوی کردار ہیں یہ تمام کردار آپس میں گہرے دوست ہیں اور طالب علم ہیں۔ ''آگ کا دریا'' کے کرداروں کی طرح یہ کردار بھی آپس میں بلا تعصب اور دوستانہ زندگی گزارنے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔

> ''میرے بھی صنم خانے'' کے کرداروں کے ذہن وجذبے میں رومانیت رچی ہوئی ہے۔ یہ سب کے سب اپنی بنائی ہوئی جنت میں محوِ گلگشت ہیں اور جب ان کے خواب ٹوٹتے ہیں تو جذباتی ہو جاتے ہیں۔ (۹)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ان کرداروں پر احمد ندیم قاسمی نے بڑے دلکش انداز میں تبصرہ کیا ہے:

> کردار بے شمار اور متنوع ہیں... شروع شروع مین ان کی دلچسپیاں ان کے مشاغل، ان کے نظریئے بالکل یکساں معلوم ہونے لگتے ہیں، لیکن ہولے ہولے (مصنفہ کے بجائے) حالات و واقعات ان کی پارٹیوں اور قہقہوں اور لطیفوں کے نقابوں کے ادھر عجیب مناظر پیش کرتے ہیں، وہاں سب کردار ایک دوسرے سے الگ کھڑے ہیں ان کی راہیں لگ ہیں، ان کی منزلیں الگ ہیں اور پھر اتنے الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے کتنے قریب ہیں، یہی قرب اور یہی اختلاف اس ناول کا پلاٹ ہے۔(۱۰)

کنور عرفان علی ''غفران منزل'' کا مالک ناول کے اہم کرداروں میں سے ایک ہے۔ کنور عرفان اپنی پر آسائش اور بے فکری کی زندگی میں مست تھے زمانے کی دھوپ اور چھاوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کی مصروفیات روایتی امرا کی طرح تھیں۔

> ... کنور صاحب سال کا زیادہ حصہ اپنی ریاست کے قصبے ماناٹھیر میں گزارتے۔ جاڑوں میں لکھنو آجاتے، گرمیوں میں وائلڈ فلاور ہال نینی تال یا سوائے ہوٹل مسوری کو زینت بخشتے۔ ان کے مشغلے تعداد میں بہت کم تھے۔ سال میں چند مرتبہ قیصر باغ کی بارہ دری کے اعلیٰ پیمانے کے مشاعروں کی صدارت، برٹش انڈین ایسوسی ایشن کا سالانہ ڈنر، گورنمنٹ ہاوس کے ایٹ ہوم اور یونی ورسٹی کے کورٹ میٹنگ جس کے وہ ممبر تھے کیوں کہ اودھ کے دوسرے تعلقہ داروں کی طرح نے بھی کیننگ کالج کی سربفلک اور شاہانہ عمارتوں کی تعمیر کے لیے گراں قدر عطیے دیئے تھے، اور بینٹ ہال کی... دیواروں پر صوبے کے سابق گورنر اور دوسرے مہاراجاؤں اور نوابوں کے ساتھ بڑے کنور صاحب مرحوم کی... تصویر بھی موجود تھی... شام کو انڈین سول سروس کے معمر انگریز افسروں کے ساتھ شطرنج کھیلنے... جاتے تھے... ان کی ذات سے نقصان کسی کو نہ تھا فائدہ ہزاروں کو تھا۔(۱۱)

قرۃ العین حیدر نے اپنے ناول ''میرے بھی صنم خانے'' میں ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کے قائم نہ رہنے، ہندو مسلم فسادات اور اس کے بعد کی تباہ کاریاں بیان کرکے وقت کے ہاتھوں انسان کے مجبور ہونے کے فلسفے کو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

پیش کیا ہے۔ ناول کے کردار وقت کے ہر ظلم کو تسلیم کر کے کسی نہ کسی طرح زندگی گزارنے کے لیے خود کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر ناہید قمر:

> اس ناول میں انھوں نے اودھ کے تعلقہ اداروں کی زندگی ذہنیت اور نفسیات کی مغربی طرز زندگی کے حوالے سے خوب صورت عکاسی کی ہے ساتھ ہی تقسیم کے بعد آدرشوں کی ٹوٹ پوٹھ کا المیہ بھی بیان کیا ہے اور اس کی ساری صورتحال کا ذمے دار وقت کو ٹھہراتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی اور وقت کی ابدیت کو پیش کیا ہے۔(۱۲)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نواب کنور عرفان کو بھی زندگی کے بہت سے تلخ حقائق کو برداشت کرنا پڑا اور بدلے ہوئے وقت و حالات سے سمجھوتا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے کنور صاحب کو انگریزوں سے شدید نفرت کے باوجود اپنے بیٹے پی چو کی انگریز فوج میں شمولیت کو برداشت کرنا پڑا۔

> تاریخ میں آج تک ان کے خاندان میں کسی نے بھی انگریز سرکار کی ملازمت نہیں کی تھی۔ ان کے بزرگوں نے اودھ کی سلطنت کے دم توڑنے کے زمانے میں بھی نواب کی طرف سے کمپنی بہادر سے ٹکر لی تھی جنرل ہیولاک کی توپوں کا سامنا کیا تھا... اور ان کا بیٹا اسی انگریزی سرکاری کی غلامی کرے! یہ ناممکن تھا... کنور صاحب کو سخت صدمہ پہنچا۔(۱۳)

پی چو کی انگریز فوج میں شمولیت کے علاوہ کنور صاحب نے اپنے بچوں کو ہر طرح کی آزادی دے رکھی تھی۔ رخشندہ، پولو اور پی چو اور ان کے ساتھیوں کے نکالے ہوئے رسالے ''نیو ایرا'' کی انھوں نے ہمیشہ پذیرائی کی تھی۔

کنور صاحب اپنے بچوں، دوستوں، جاننے والوں اور نوکروں کے ساتھ بہت گھل مل کر رہتے لیکن اپنی بیوی سلطنت آرا بیگم کے ساتھ ان کے تعلقات عام طور پر کشیدہ رہتے۔

جب ملک میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو ہر طرف بدامنی، بدنظمی اور خوف و ہراس پھیل گیا۔ ہر روز مختلف شہروں سے مسلمانوں کے شہید ہونے کی خبریں آتیں جو مسلمان صدیوں پرانے وطن سے محبت کی وجہ سے ہجرت نہ کرنا چاہتے تھے انھیں ڈرا دھمکا کر ہجرت کرنے پر مجبور کیا جاتا اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا جاتا، لیکن ابتدا میں ان حالات کا کنور صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے حال میں مست رہے۔

ہندو مسلم فسادات نے شدت اختیار کی تو ملک کے بڑے بڑے امرا اور رؤسا بھی فسادات کی زد میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

آ گئے۔ انھیں بھی ان تکلیف دہ حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کا عام شہری مقابلہ کر رہے تھے۔ ان دنوں کنور صاحب گرمیاں گزارنے نینی تال گئے ہوئے تھے اور اپنی پرانی مصروفیات کے مطابق وقت گزار رہے تھے۔ کہ ایک دن اقبال نرائن نے کنور صاحب کو منشی دوارکا پیغام دیا:

> ... کنور صاحب سے کہو پاکستان کا ہے نا ہیں چلے جات ہیں۔ ہم تو اب ایکو ڈبل لگان نہ دیبا۔ ہم اب آجاد ہیں۔ ایکو مسلمان جمیندار کی گلامی نہ کریا۔ چاہے چودھری ہوں چاہے ٹھاکر۔ اپنے گھر کے ہوئی ہیں۔ ہمرے اوپر اب کاہے کا عرب جماوت ہیں۔ (۱۴)

ان کشیدہ حالات میں کنور صاحب رخشندہ کو دوبارہ لکھنو بھیج دیا لیکن خود اپنے قبضے سے نکلنے کا حوصلہ نہ کر سکے کچھ عرصے کے بعد جب حالات مزید خراب ہو گئے تو رخشندہ اور پولو کو دوبارہ کنور صاحب کے پاس نینی تال جانا پڑا۔

ملک کے حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ اس صورتحال سے نبٹنے کے لیے تقسیم ہند کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔ کنور صاحب کے لیے یہ حقیقت بہت تکلیف دہ تھی۔

کنور صاحب کے لیے یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا۔

سلطنت آرا بیگم کرواہاراج کی کنور رانی ایک مغرور عورت تھیں۔ اپنی حیثیت اور مال و دولت پر انھیں بہت ناز تھا۔ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ بھی ان کی رسمی قسم کی گفتگو ہوئی۔ البتہ اپنے بیٹوں پی چو اور پولو کو رخشندہ سے زیادہ اہمیت دیتیں، ردِعمل کے طور پر کنور صاحب بیٹے سے زیادہ رخشندہ سے پیار کرتے۔ کنور صاحب سے ان کی ملاقات صرف دوپہر کے کھانے پر ہوتی۔ باقی معاملات نوکروں یا بچوں کے ذریعے پیغامات دے کر طے کر لیے جاتے۔

کنور صاحب کی وفات کے بعد سلطنت آرا نے دکھی ہونے کے بجائے اپنی عدت ختم ہوتے ہی سندیلہ کے چودھری شمیم سے نکاح کر لیا، اور ''غفران منزل'' پر حکومت نے قبضہ کر کے وہاں ہندو شرنارتھیوں کو آباد کر دیا۔

اب کنور صاحب کے بچوں کی زندگی عام شہریوں جیسی ہو گئی یہاں تک کہ پولو جیسے شاہانہ مزاج شخص کی زندگی میں بھی تبدیلیاں آئیں اب اس کی طبیعت میں صبر و شکر اور قناعت آ گئی تھی، لیکن وہ اب بھی ادب شاہانہ زندگی کے خواب دیکھتا تھا اور ان خوابوں کی تعبیر کے لیے وہ سخت محنت کرنے اور اپنے سارے شوق ترک کرنے کے لیے تیار تھا۔

غفران منزل کا کنور پولو آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔ اس نے اپنی ساری

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

رئیسانہ خو بو اور تن آسانی اور آرام پسندی کی عادتیں چھوڑ دی تھیں اس نے... بڑی اسکیمیں بنائی تھیں... وہ صوبے کی حکومت سے ٹریکٹر خرید کر خود سپر کرے گا۔ ترائی کے علاقے میں جتنے جنگل بیکار پڑے تھے۔ ان کی لکڑی سے وہ سیتا پور کے پلائی ووڈ کے کارخانے کی طرح ایک کارخانہ خود قائم کرے گا۔ اپنے ساتھ کتے بیچ ڈالے گا۔ فلائنگ کلب اور ہوا میں وقت گزارنے کے بجائے وہ ایک نہایت محنتی اور ایماندار کاشت کار بنے گا۔ جتنا حصہ معاوضہ دینے کے بعد حکومت اسے سیر کے لے دے گی، وہ اس پر قناعت اور صبر و شکر کے ساتھ گزر کر سکے گا۔ بارہ بنکی کے سابق ڈپٹی کمشنر اپنے ماموں میاں کی لڑکی سے شادی کرلے گا اور ٹریکٹر چلایا کرے گا۔

پی چو بھی کنور عرفان کا بیٹا تھا۔ پولو کے برخلاف ہنس مکھ اور سوشل تھا اس کے حلقہ احباب میں ہندو انگریز اور مسلمان سبھی شامل تھے۔ فلاحی کام کرنا، ''نیو ایرا'' کے لیے مضامین لکھنا اور چندہ جمع کرنا، دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور ناچنا اس کے مشاغل میں شامل تھا۔

پی چو اپنے باپ کی وسیع جائیداد سے واقف تھا لیکن پی چو نے کنور صاحب کی مخالفت کے باوجود انگریز فوج میں شمولیت اختیار کی۔

ان دنوں جنگ نئی نئی چھڑی تھی۔ پی چو نے چپکے سے ائیر فورس میں درخواست بھیج دی۔ پھر الٰہ آباد جا کر انڈین پولیس کے مقابلے میں بیٹھ گیا اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ کنور صاحب کو سخت صدمہ ہوا لیکن... چہیتا بیٹا تھا، چپ ہو گئے۔ (۱۶)

پی چو اپنے گروپ کی انگریز، غیر مسلم اور شادی شدہ لڑکی کرسٹابل سے شادی کا خواہشمند تھا اس کی شادی پر جب سب نے اعتراض کیا تو پی چو نے ناراض ہو کر گھر اور دوستوں کو چھوڑ کر ہوسٹل میں رہنا شروع کر دیا۔

اب پی چو کی ساری توجہ فوج کی طرف مرکوز ہو گئی وہ اپنے تعصب سے پاک اور غیر جانبدارانہ نظریات کی وجہ سے فوج میں بہت مقبول تھا اگرچہ اس نے ہندو شرنارتھیوں کی دل و جان سے حفاظت کی، لیکن اس کے باوجود ہندوا سے شک کی نظروں سے دیکھتے اور ہندو مسلم اختلافات کا شدت سے احساس دلاتے۔

پی چو قوم پرست بیٹھے بیٹھے اپنے دوستوں کی باتیں سنتا۔ لاہور تمھارے لیے محفوظ ہے۔ دہلی ہمارے لیے محفوظ ہے۔ ہم ہندی ہیں تم پاکستانی ہو۔ ہماری قومی زبان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

شدھ ہندی ہے۔تمھاری قومی زبان خالص اردو ہے۔ہم چٹیا رکھتے ہیں۔تم گائے کا گوشت کھاتے ہوتم نے اپنا ملک ہمیں سونپا ہے اور ہمیں ہمارے وطن سے نکالا ہے۔ ہم اب تمھارے یہاں آ کر تمھیں تمھارے ملک سے نکال رہے ہیں۔ انسانیت کی تاریخ میں کہیں اس سے زیادہ حماقت انگیز جنوں کبھی نہ ہوا تھا۔(۱۷)

ہندووں نے پی چو کی شرنارتھیوں سے بے غرض ہمدردی اور پیار کسی کو بھی اہمیت نہ دی، بلکہ اس کے ہر مثبت رویئے کو شک کی نظر سے دیکھا اور اسے کبھی بھی اپنا فوجی محافظ یا ساتھی تسلیم نہ کیا۔

رات رات بھر جاگ کر ہندووں کی حفاظت کے انتظامات میں لگا رہتا تھا۔اسے انھوں نے بندوقوں کے کندوں اور سنگینوں کی نوک اور گولیوں کی بوچھاڑ سے ختم کر دیا۔(۱۸)

رخشندہ ناول کا سب سے اہم کردار ہے ناول کا پلاٹ رخشندہ کے کردار کے ذریعے ہی آگے بڑھتا ہے۔''غفران منزل'' میں وہ ایک عرصے تک بے فکری کی زندگی گزارتی رہی۔تقسیم ہند کے ساتھ ہی رخشندہ کی ساری دلچسپیاں،شوخیاں، وسائل اور ہندو، انگریز اور مسلمان دوستوں کا ساتھ سب کچھ ختم ہوجاتا ہے۔

کنور عرفان نے رخشندہ کی تربیت اس انداز میں کی تھی کہ اسے عام دلچسپیوں سے لے کر کلبوں میں ڈانس کرنے تک سے لے کر غیر مسلموں سے دوستانہ روابط رکھنے اور انکے مذہبی تہواروں میں شرکت کی بھی آزادای حاصل تھی۔نواب کنور نے اپنی اولاد کی تربیت اس انداز میں کی تھی اور انکے خیال کے مطابق اس سے ان کے خاندانی وقار پر کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔

کنور صاحب ایک حد تک بڑے وسیع النظر تھے... انھوں نے اپنے تینوں بچوں کی ایسی تربیت کی تھی کہ ان میں خود اعتمادی، وسیع النظری اور عقیدے کی پختگی پیدا ہو سکے انھوں نے رخشندہ کو مکمل آزادی دے رکھی تھی کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ وہ اس کا غلط استعمال نہیں کرے گی اس نے میرس کالج سے... میوزک کی ڈگری حاصل کی تھی اس نے الموہڑے کی کلچر سینٹر سے رقص سیکھا تھا وہ اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ ''دلکشا کلب'' جا کر انگریزی ناچ میں شامل ہوتی وہ پی چو کا یا اپنی سائیکل پر جب چاہتی اور جہاں چاہتی آجاسکتی تھی۔(۱۹)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کنور عرفان اور اس کے خاندان پر مغربی اور ہندی تہذیب کے گہرے اثرات تھے اور اس تہذیب کو اپنانا ان کے نزدیک وسیع النظری تھی۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

قرۃ العین نے ناول میں صرف ادبی، موسیقی یا فنون لطیفہ میں ہندووں اور مسلمانوں کی مشترکہ تہذیب کا ذکر نہیں کیا، بلکہ تہذیب وتمدن اور مذہبی معاملات میں ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں یا محرم کے تعزیوں میں بلا امتیاز شرکت کو بھی بیان کیا ہے۔ جس میں مسلمان (شیعہ اور سنی دونوں) اور ہندو سب شامل ہوتے:

> محرم آ گیا اور رخشندہ اس میں مصروف ہوگئی۔ لکھنؤ کا محرم، جب گلی گلی امام باڑے سجتے ہیں اور شربت کی سبیلیں لگائی جاتی تھیں اور ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی اکٹھے ہو کر حسینؑ مظلوم انسانیت کے سب سے بڑے ہیرو کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کا اظہار کرتے... امام باڑوں میں چراغاں کیا جاتا تھا ہندو عورتوں کی ٹولیاں پوربی زبان میں کہے ہوئے نوحے اپنے طریقے سے گاتی ہوئی سڑکوں اور گلیوں سے گزرتی رہتی تھیں۔ (۲۰)

رخشندہ کے جہاں اور شوق تھے وہاں اسے صحافت سے بھی دلچسپی تھی۔ اس شوق کی تکمیل کے لیے رخشندہ، پی چو اور ان کے دوستوں، کرن اور کرسٹا بل وغیرہ نے مل کر ایک رسالہ ''نیو ایرا'' نکالا، جس میں وہ جاگیردارانہ نظام کے خلاف اور غریبوں کے حقوق پر مضامین لکھتے۔ جب تحریک پاکستان کا آغاز ہوا تو، انھوں نے اپنے رسالے کے ذریعے کانگریس کے نظریات کو فروغ دینے کی کوشش کی۔

جہاں ان کے رسالے ''نیو ایرا'' کو ترقی پسندوں اور کانگریسیوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ وہاں اس رسالے اور ان کے نظریات کی مخالفت کرنے والے بھی موجود تھے۔ ان میں پیش پیش رحمت اللہ خان، سید افتخار اور چودھری شمیم تھے۔ انھوں نے ''نیو ایرا'' کے مقابلے میں ایک نیا رسالہ ''ملّتِ بیضا'' نکالا جس میں وہ مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنا چاہتے تھے۔

قرۃ العین چوں کہ خود ترقی پسند اور کانگریسی ہیں اس لیے انھوں نے ناول کی ترقی پسند کردار رخشندہ اور اس کے ساتھیوں کی حمایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ... جس زہر کو وہ پھیلنے سے روکنا چاہتے تھے وہ بہت اچھی طرح پھیل چکا تھا۔ ان کی کوشش کو غلط روشنی میں دیکھا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض کو غدار اور قوم فروش کہہ کر گالیاں دی جاتی تھیں۔ ان سے پوچھا جاتا تھا کہ بھائی تمھیں ہیڈ کوارٹر سے کتنی تنخواہ جاتی ہے۔ میاں، جتنے روپے تم وہاں سے لیتے ہو اس سے دو گنے ہم سے لے لو لیکن خدارا قوم کو نہ بیچو۔ (۲۱)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جیسے جیسے تحریک پاکستان زور پکڑتی گئی اور نیو ایرا اور کانگریس کی مقبولیت میں بھی کمی ہوتی گئی اور ''نیوایرا'' کے لیے چندہ دینے والے بھی کم ہوتے گئے ان حالات میں بھی رخشندہ ''نیوایرا'' کی اشاعت کے لیے ہرممکن کوشش کرتی رہی، لیکن وسائل کی بے حد کمی کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی۔

> ...اس نے تھک کو سوچا کہ وہ اپنے کرنٹ اکاونٹ میں سے روپیا نکال کر اس وقت تو کام چلا لے گی۔ کرن واپس آ کر باقی باتیں خود نپٹا تا رہے گا۔ اس نے بینک کی کتاب دیکھی، لیکن اس کا جتنا روپیا اس وقت بینک میں موجود تھا وہ اس سے چوگنا بھی سارے ضروری حسابات کے لیے ناکافی ہوتا۔ صاحب کے اچانک ہارٹ فیل ہو جانے کی وجہ سے کوئی وصیت نہ چھوڑی تھی اور قانون کے لحاظ سے تعلق داری کے حق وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ اودھ کے تعلق داروں میں اس شرعی تیسرے حصے سے محرومی کی تلافی شادی کے وقت کئی سیر سونے کی شکل میں کردی جاتی تھی۔ اس کے لیے بھی یقیناً کنور رانی کے پاس اس وقت ڈھیروں سونا موجود ہوگا، لیکن کنور رانی اسے محض اخبار پھینکنے کے لیے قطعی کچھ روپیا نہ دیتیں جبکہ بلوے کی وجہ سے ریاست کو اتنا نقصان اٹھانا پڑا تھا اور جب کہ اسمبلی زمیں دار کے خاتمے کا بل پاس کرچکی تھی۔ (۲۲)

قرۃ العین حیدر نے اپنے بیشتر نسوانی کرداروں کی طرح رخشندہ کے کردار کو بھی باہمت اور مستقل مزاج دکھایا ہے جو پہلے سید افتخار، رحمت اللہ خاں اور چودھری شمیم کی مخالفت کے باوجود اپنے ساتھیوں کے ساتھ ''نیوایرا'' کی اشاعت کے لیے کوششیں کرتی رہی، اور بعد میں وسائل کی کمی کے باوجود ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کرتی رہی۔ اپنے رسالے ''نیوایرا'' میں جاگیردارانہ نظام کے خلاف مضامین لکھنے والی رخشندہ یہ نہ جانتی تھی کہ وہ خود بھی اس کی لپیٹ میں آئے گی اور اس نظام کے خاتمے کے بعد مالی نقصان اٹھائے گی اور اس کی حیثیت عام شہریوں جیسی ہوجائے گی۔

> ...امبر پور کی نسبت ٹوٹنے کے بعد اور کنور صاحب کے انتقال کے بعد سے حالات کچھ اس طرح کے پیدا ہوگئے کہ کنور رانی کا اس خاکسار کو اپنی فرزندی میں لینا ناگزیر ہے آپ پر جتنا قرضہ چڑھا ہوا ہے، اس صورت میں یہ خاکسار ادا کرے گا۔ یہ کوئی احسان نہیں۔ اس نازک وقت پر محض آپ لوگوں کی خدمت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

منظور ہے۔ غور فرما لیجیے... شام کو باہر اتنی دیر نہ رہا کیجیے۔ اس کے علاوہ اگر پتلون پہننے اور دلکشا جانے سے احتراز فرمایئے تو عین موجب مسرت اس ناچیز کے لیے ہوگا۔(۲۳)

کنور رانی اس موٹی آسامی کو ضائع کرنا نہ چاہتی تھی ان کی شدید خواہش تھی کہ رخشندہ کی شادی چودھری شمیم کے ساتھ ہو جائے۔ رخشندہ کے انکار کرنے پر کنور رانی کی لاتعلقی شدید نفرت میں بدل گئی۔

آخر بمبئی میں رخشندہ اپنے دوستوں کے ساتھ رہنے لگی اور ان کے ساتھ فلاحی کاموں میں مصروف ہوگئی۔ رخشندہ اور اس کے دوست بلاتعصب ہجرت کرنے والے مسلمانوں اور ہندو شرنارتھیوں کے کیمپوں میں جا کر ان کی خدمت کرتے، رخشندہ جب شرنارتھیوں کے کیمپ میں جاتی تو کرن اسے نصیحت کرتا:

... تم مسلمان ہو، اس لیے بندی لگا کر کورو کشیتر کیمپ تک ہمارے ساتھ چلنا۔ بیچارے شرنارتھی مسلمانوں کے نام ہی سے اب اتنی نفرت کرتے ہیں کہ وہ تمھیں دیکھنا برداشت نہ کر سکیں گے۔ روشنی ڈارلنگ تم یہاں غرارے نہ پہننا۔ اوما اس سے کہتی... اپنے ملک میں، اپنے وطن میں، شیر شاہ اور اکبر اور شاہ جہاں کی دلی میں مسلمان ہونا جرم تھا۔ خطرہ تھا، شرم تھی۔ یہ سب ایک تماشے کی طرح، ایک دیوانے خواب کی طرح آنکھوں کے سامنے گزرتا جا رہا تھا۔(۲۴)

رفتہ رفتہ رخشندہ کے دوستوں کا ساتھ بھی چھوٹتا گیا۔ کرسٹابل یورپ اور ڈائمنڈ لاہور چلی گئی جب کہ کرن کو ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھی ہونے کے جرم میں مار دیا۔

رخشندہ کا انجام بھی وہی ہوا جو عام طور پر قرۃ العین حیدر کے کرداروں کا ہوتا ہے۔ ہر وقت دوستوں کے مجمع میں دکھائی دینے والی رخشندہ آخر میں تنہائی کا شکار ہوگئی۔

رخشندہ کے کردار کے ذریعے قرۃ العین حیدر نے انسان کی تنہائی کے فلسفے کو بیان کیا ہے اس کے ساتھ وقت کا فلسفہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

سارا دن گزر گیا۔ کوئی نہیں آیا۔ کوئی نہیں... سارا دن گزر گیا۔(۲۵)

''سارا دن گزر گیا... کوئی نہیں آیا... کوئی نہیں... سارا دن گزر گیا۔'' اس جملے سے رخشندہ کی تنہائی اور ناکامی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ پررونق ماضی کی یاد ہے جس میں بےفکری اور دوستوں کی محفلیں ہیں جو تقسیم ہند کے نتیجے میں قائم نہ رہ سکیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ناول میں سید افتخار کا کردار بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ کردار مسلم لیگ کی نمائندگی کرتا ہے اور ناول کے شروع سے لے کر آخر تک ان کا کردار ناول کی کہانی کو آگے بڑھاتا ہے۔

سید افتخار کے مشورے پر ان کے ساتھ رحمت خان نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک رسالہ ''ملّتِ بیضا'' نکالا جس میں انھوں نے مسلمانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اس میں نہ صرف ''مسلم لیگ'' کی نظریات کو ابھارنے، بلکہ ترقی پسندوں اور کانگریسوں کی مخالفت میں بھی مضامین لکھے جاتے۔

مسلم لیگ کے نظریات تمام مسلمانوں کی آزادی اور خوش حالی کی ترجمانی کرتے تھے، اور جن حالات وواقعات سے گزرنے کے بعد ایک علیحدہ مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مسلم لیگ کا پھولنا پھلنا یقینی تھا، لیکن قرۃ العین حیدر چوں کہ کانگریزی تھیں اس لیے انھوں نے ''نیو ایرا'' کے نظریات کو سراہا ہے جبکہ مسلم لیگ کے نظریات کو انھوں نے سیاسی پروپیگنڈا کہا ہے۔

> ...ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے انھیں دیہاتوں اور قصبوں اور ضلعوں کے چھوٹے چھوٹے دور افتادہ اضلاع میں جہاں اب تک قومی اور سیاسی شعور کی لہر بدقسمتی سے نہ پہنچی تھی۔ اسٹڈی سرکل قائم کرنے اور پروپیگنڈے کی رفتار دوگنی کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔(۲۶)

ناول میں قرۃ العین نے سید افتخار، رحمت اللہ خان اور چودھری شمیم کے کو نرعرفان علی اور پی چو کے ان دھمکی خطوط کا بھی ذکر کیا ہے جو انھوں نے ''نیو ایرا'' کی پالیسی تبدیل کرنے کے لیے لکھے۔

پورا ناول پڑھنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قرۃ العین نے اپنی ذاتی پسند اور جانب داری سے کام لیتے ہوئے ناول کے آخر میں جب تقسیم ہند کے بعد کے حالات کو بیان کیا گیا وہاں بھی سید افتخار، رحمت اللہ اور چودھری شمیم کی جو گفتگو بیان کی گئی ہے اسے وہ یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ شاید مسلم لیگی رہنما اپنے فیصلے پر پشیمان تھے۔

سید افتخار اور ان کے ساتھی سخت چکرائے ہوئے تھے۔ ایک صاحب کہہ رہے تھے:

> ارے میاں جن قوم پرستوں کو پچھلے آٹھ سال تک گالیاں دیں۔ اب ان ہی کے دروازوں پر پہنچنا پڑ رہا ہے کہ بھائی خدا کے لیے بتاؤ اب کیا کریں... عمرِ عزیز کے دس سال... اسی چکر میں گزارے اور اب اس کا صلہ کیا ملا... جنھیں تم قوم فروش کہتے تھے۔ یہی تو چلاتے تھے کہ میاں اقلیت کے صوبوں میں تمھارا کیا حشر ہوگا... اسکولوں اور کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں اردو اور فارسی کی کلاسوں میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> ہندو طلبہ کا اوسط مسلمان کے لگ بھگ ہی رہتا تھا لیکن اتنی گالیاں سن لینے کے بعد... انتقام کا جذبہ اور خیال ان کے دل و دماغ میں اتنا رچ گیا ہے کہ وہ اردو کا ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے پڑھنا پڑھانا تو کجا۔ میاں لکیر پیٹتے جاؤ بیٹھے بیٹھے جس کلچر روایا اور زبان کے تحفظ کے لیے یہ ساری قیامت اٹھائی گئی تھی۔ ان علاقوں میں جنھیں حاصل کیا گیا ہے وہ کلچر اور زبان کہاں ہے۔ اس مرکز اور گہوارے اور اپنی تاریخ و تمدن کی ساری وراثت خود اپنے ہاتھوں سے ہم نے دوستوں کو سونپ دی۔ اللہ اکبر... اللہ اکبر! قوم کے جس وقار اور عزت کے لیے یہ سب کیا گیا تھا اس کے آدھے حصے کا وقار خاک میں مل گیا۔ (۲۷)

سید افتخار اور ان کے ساتھیوں کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے جاگیردار اور اعلیٰ طبقے کے لوگ تقسیم ہند کے بعد بھی ہندوستان چھوڑ کر پاکستان جانا نہیں چاہتے تھے، بلکہ ہندوستان میں رہ کر اپنی گزشتہ عظمت کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کے خیالات کو قرۃ العین نے ناول میں اس طرح بیان کیا ہے:

> ... ہم یعنی سلطنت اودھ کے جائز اور صحیح وارث، چوں کہ انگریزی راج اب چلا گیا ہے، دوبارہ تخت نشین ہوئے ہیں۔ انگریزی حکومت نے نوے سال قبل ہمارے نگڑ دادا خلد آشیانی جنت مکانی کو انتہائی بے کسی کے عالم میں تاج و تخت سے محروم کر دیا تھا اور سلطنت پر لٹیروں کی طرح قابض ہوئے تھے۔ آج بدیسی حکومت کے خاتمے کے بعد، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سے ہم، یعنی آخری تاجدار اودھ کے نگڑ پوتے پرنس چھبن صاحب قانونی طور پر سریر آرائے سلطنت ہوئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری پیاری رعایا ہمارے زیر سایہ امن و عافیت اور خوشی سے زندگی بسر کرے گی اودھ سو سال کی غلامی سے آزاد ہوا ہے۔ (۲۸)

اس ناول میں قرۃ العین نے نہ صرف ہندو مسلم فسادات کا ذکر کیا ہے، بلکہ ہندوستان کی تقسیم ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو بھی بیان کیا ہے۔ ان دنوں ہندو مسلم اتحاد و اتفاق بری طرح متاثر ہوا مسلم لیگی کانگریسیوں کے ساتھ رہنے والوں سے نفرت کرنے لگے اور انھیں کافر کرنے سے بھی نہ رکے۔

کنور عرفان، رخشندہ، پیچو، کرن، گنی اور رمل وغیرہ کانگریس کی اور سید افتخار، رحمت اللہ خان اور چودھری شمیم مسلم لیگ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ دونوں سیاسی پارٹیاں اپنی تحریک کو فروغ دینے کے لیے جلسے جلوس نکالتیں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اس کے علاوہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے اور اپنے نظریات کو فروغ دینے کے لیے ایک رسالہ ''ملّتِ بیضا'' اور کانگریس نے ''نیو ایرا'' کے نام سے ایک رسالہ نکالا۔ یہ دونوں سیاسی پارٹیاں اپنے نظریات کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور بد نام کرنے کی کوشش کرتیں جیسا کہ سید افتخار کی کنور عرفان اور ان کے بچوں کے بارے میں یہ رائے تھی:

> کنور عرفان کی اولاد ایک سرے سے مسلمان ہی نہیں۔ ان کے لڑکے، شراب وہ پیئیں۔ انگریزی ناچ وہ ناچیں۔ ہر وقت کا انگریزوں، کافروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ سور بھی یقیناً کھاتے ہوں گے، بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ان کی لڑکی شادی بھی کسی ہندو سے کرے گی۔ (۲۹)

مسلمانوں کے آپس کے تفرقے پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد نسیم نے کہا ہے:

> ...اگر مسلمانوں کی سیاسی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو تاریخ کا ایک شرم ناک پہلو یہ بھی سامنے آئے گا کہ مسلمان خود مسلمان کی نگاہ میں مطعون و ملعون تھے۔ سیاسی ناسمجھی کے باعث مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کا فقدان تھا۔ ملی شیرازہ بندی ناپید ہو کر رہ گئی تھی... ناول ''میرے بھی صنم خانے'' میں مسلمانوں کے ملی انتشار اور ذہنی کشمکش کی یہ کیفیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ (۳۰)

اگرچہ قرۃ العین تقسیم ہند سے خوش نہ تھیں اور انھوں نے ناول میں کئی جگہ تقسیم ہند کے نتیجے میں ہندو فرقوں اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے فسادات، قتل و غارت گری، لوٹ مار اور سب سے بڑھ کر خوشگوار یادوں پر ماتم کیا ہے:

> ... یہاں کسی کو پتا نہیں تھا کہ کون ہندو ہے، کون مسلمان ہے، کون شیعہ ہے کون سنی۔ اپنے دکھوں اور تکلیفوں کے باوجود زندگی بڑی مکمل پر مسرت اور قانع تھی پرانی روایات کی پابندی اور قدیم چلن کو نبھانا سب کا مقدس فریضہ تھا لیکن قومی رہنماؤں اور ہمدردوں نے انکشاف کیا کہ ہماری جنتا میں سیاسی شعور کا فقدان ہے۔ (۳۱)

اگرچہ قرۃ العین حیدر تقسیم ہند کے خلاف تھیں لیکن ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ ظلم اور زیادتیوں سے انھوں نے بھی انکار نہیں کیا۔ ناول میں تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں کی ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ زیادتیوں اور ان کی جائیدادوں پر قابض ہونے کا ذکر کر کے یہ بات ثبات کی ہے کہ ہندوؤں نے تعصب کی بنیاد پر مسلمانوں کو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جانی، مالی اور روحانی طور پر نقصان پہنچایا اور جو ہندو ابھی تعصب کا شکار نہ ہوئے تھے، ان کے ساتھی ڈرا دھمکا کر یا جائیدادوں اور زمینوں پر قبضہ کرنے کا لالچ دے کر انھیں مسلمانوں کے خلاف اکساتے۔

ناول میں قرۃ العین حیدر نے کنور علی کے منشی اقبال نرائن کے کردار کے ذریعے یہ حقیقت واضح کی ہے:

> ... چاچا اگر تم ان کچھ مسلمٹوں کی دی ہوئی روٹی کھانے سے باز نہیں آو گے تو یاد رکھو تمھارے حق میں آگے چل کر اچھا نہیں ہوگا۔(۳۲)

کنور عرفان علی کے انتقال کے بعد اقبال نرائن کے بھتیجوں نے اسے دھمکی دی:

> اپنی جگہ سے نہ ہٹنا... کرواہا راج تو بس اب اپنا سمجھو، کچھ گورنمنٹ چھین لے گی اور جو گورنمنٹ نہ چھینے گی وہ ہم اپنے ڈنڈے کے زور سے لے لیں گے۔ ان ملیچھوں کی بھگوان نے بہت دنوں تک رسی دراز رکھی تھی۔ اب سارا بھارت ورش ہمارا ہے۔(۳۳)

مقامی ہندووں کے علاوہ ہندو شرنارتھیوں کی زیادتیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو انھوں نے ہندوستان میں آکر ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ کیں جو ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ان مسلمانوں کی جائیدادیں کوڑیوں کے داموں خریدی گئیں۔ یا انھیں قتل کر کے ان کی جائیدادوں اور مال و دولت پر قبضہ کر کے اپنی حیثیت کو بدل لیا۔

> ... مسلمانوں کو ریلوں کی کھڑکیوں سے باہر پھینکا جارہا تھا... مسلمانوں کے کاروبار معطل ہو چکے تھے۔ انھیں... کتے کی موت مارنے کے ارادے کیے جارہے تھے... مسلمان خوف و ہراس سے سہمے جارہے تھے۔ انھوں نے اپنے مکانوں اور کوٹھیوں پر سے اپنے ناموں کے بورڈ اتار دیئے تھے۔ ریلوں میں سفر کرنے کے لیے ہندو نام تجویز کر لیے تھے۔ اپنے ہندو دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر ریل کے سفر میں حملہ آوروں کے سوالات کے جواب دینے کی ریہرسلیں کی جاتی تھیں ... مسلمان زمیں داروں کو اپنی عاقبت نظر آرہی تھی۔ کاروباری الگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے روتے تھے۔ ملازمت پیشہ مسلمانوں کو بہانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نوکریوں سے برطرف کیا جارہا تھا۔(۳۴)

تقسیم ہند کے نتیجے میں قرۃ العین حیدر نے ہندو شرنارتھیوں کے بسنے والے دو مختلف طبقوں کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے جلد ہی ترقی کی تمام منازل طے کر کے فرش سے عرش تک پہنچ گئے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> ...دولت مند شرنارتھی جو بڑے بڑے انگریزی ہوٹلوں، کوٹھیوں میں یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ ہر وقت اسکیٹنگ کرتے، شرابیں اڑاتے، اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو بال روم ناچ سکھاتے... انھوں نے آتے ہی ٹھیکے لینے شروع کر دیئے تھے اور دوسری ڈومینن کو ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی جائیدادیں کوڑیوں کے مول خرید رہے تھے۔(۳۵)

ماضی پرستی پر قرۃ العین حیدر نے اپنے افسانوں اور ناولوں پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اس ناول میں بھی ماضی پرستی کے حوالے سے انھوں نے پرانے دوستوں اور ہندو مسلم مشترکہ کلچر کو شدت سے یاد کیا ہے۔ ناول کے دوسرے باب ''دھنستے ہوئے ساحل'' اور تیسرے باب ''منزل لیلیٰ'' میں ہندو مسلم مشترکہ کلچر، لکھنؤ کی پر تصنع زندگی کو بار بار یاد کیا ہے۔ جس پر ڈاکٹر ناہید قمر نے یوں تبصرہ کیا ہے:

> ...ناول گو کہ ہندو مسلم فسادات کے پس منظر میں لکھا گیا ہے مگر فسادات اس کا براہ راست موضوع نہیں ہیں۔ اس میں انھوں نے مسلمان گھرانوں کی معاشرت اور ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کے نتیجے میں رونما ہونے والی شکست وریخت کو بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔(۳۶)

یادوں کی تکلیف دہ کیفیت سے ناول کا ہر کردار گزرا ہے۔ یہ یادیں دوستانہ ماحول کی آزادی اور بے فکری کی یاد مشترکہ کلچر جس کی بھی ہوں اس سے کوئی کردار بھی دامن نہ چھڑا سکا۔

قرۃ العین ذاتی طور پر ہندوستان کی مشترکہ ہندو مسلم گنگا جمنی تہذیب کی پروردہ اور ذہنی طور پر اس کی زائیدہ ہیں۔ ان کے خیال میں تقسیم کا ردعمل غیر فطری تھا۔ اس لیے وہ اس سلسلے میں ذہنی تحفظات کی حامل ہیں اور تقسیم کی وکیل جماعت مسلم لیگ سے دلی ہمدردی نہیں رکھتیں۔ وہ ایک مشترکہ متحدہ اور پر امن ہندوستان کی خواہاں تھیں، جو بہر حال برقرار نہ رہ سکا۔

اس صورتحال سے انھیں خود بھی ایک ذہنی دھچکا لگا یا جس کو وہ بمشکل برداشت کر سکیں۔ میرے بھی صنم خانے اسی ذہنی کیفیت کی تخلیق ہے اور جہاں جہاں وہ جانب دار ہوئی ہیں، وہ ان کی مجبوری تھی۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، ''جدید اردو ناول میں موضوعاتی تنوع''، مشمولہ ''اردو ناول میں تفہیم وتنقید''، مرتبین ڈاکٹر نعیم مظہر و ڈاکٹر فوزیہ اسلم،

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(اسلام آباد: ادارۂ فروغِ اردو زبان، ۲۰۱۲ء)، صفحہ ۳۳، طبع اوّل

۲۔ قمر رئیس، ''قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ''، مشمولہ ''قرۃ العین حیدر: ایک مطالعہ''، مرتبہ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، (نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء)، ص ۴۲

۳۔ حسن ظہیر و دیگر (مرتبین)، ''قرۃ العین حیدر اردو فکشن کے تناظر میں''، (کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۱۹

۴۔ ڈاکٹر محمد افضل بٹ، ''اردو ناول میں سماجی شعور''، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۶۱، طبع اوّل

۵۔ قرۃ العین حیدر، ''میرے بھی صنم خانے''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۲۲

۶۔ احمد ندیم قاسمی، ''میرے بھی صنم خانے''، مشمولہ ''قرۃ العین: ایک مطالعہ'' مرتبہ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ص ۱۰۷

۷۔ قرۃ العین حیدر، ''میرے بھی صنم خانے''، ص ۴۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۹۔ سیّد عامر سہیل و دیگر (مرتبین)، قرۃ العین حیدر: خصوصی مطالعہ، (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۹۴

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، ''میرے بھی صنم خانے''، مشمولہ ''قرۃ العین: ایک مطالعہ'' مرتبہ ارتضیٰ کریم، ص ۱۰۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۲۔ ڈاکٹر ناہید قمر، ''اردو فکشن میں وقت کا تصور''، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۲۳

۱۳۔ قرۃ العین حیدر، ''میرے بھی صنم خانے''، ص ۳۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۴۶

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۷۲۔۲۷۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۰۰

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۰۱

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۷۔۳۸

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۴۱۔۲۴۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۶۵

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۶۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۹۵۔۲۹۴

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۱۲

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۶

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۷۳۔۲۷۲

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۵۹

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۱۔ ڈاکٹر محمد نسیم ''اردو ناول پر تقسیمِ ہند کے المیے کے اثرات''، (پٹنہ: اجالا آفسیٹ، ۲۰۰۲ء)، ص ۹۵۱
۳۲۔ قرۃ العین حیدر، ''میرے بھی صنم خانے''، ص ۲۵۲
۳۳۔ ایضاً، ص ۲۵۸
۳۴۔ ایضاً
۳۵۔ ایضاً، ص ۲۷۱
۳۶۔ ایضاً، ص ۲۴۷۔۲۴۶
۳۷۔ ڈاکٹر ناہید قمر، ''اردو فکشن میں وقت کا تصور''، ص ۱۲۳

مآخذ

۱۔ بٹ، محمد افضل، ڈاکٹر، ''اردو ناول میں سماجی شعور''، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء، طبع اوّل
۲۔ حیدر، قرۃ العین، ''میرے بھی صنم خانے''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء
۳۔ خاں، ممتاز احمد، ڈاکٹر، ''جدید اردو ناول میں موضوعاتی تنوع''، مشمولہ ''اردو ناول میں تفہیم وتنقید''، مرتبین ڈاکٹر نعیم مظہر و ڈاکٹر فوزیہ اسلم، اسلام آباد: ادارۂ فروغِ اردو زبان، ۲۰۱۲ء، طبع اوّل
۴۔ رئیس، قمر، ''قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ'' مشمولہ ''قرۃ العین حیدر: ایک مطالعہ''، مرتبہ ڈاکٹر ارتضی کریم، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء
۵۔ سہیل، عامر، سیّد و دیگر (مرتبین)، قرۃ العین حیدر: خصوصی مطالعہ، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء
۶۔ ظہیر، حسن و دیگر (مرتبین)، ''قرۃ العین حیدر اردو فکشن کے تناظر میں''، کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء
۷۔ قاسمی، احمد ندیم، ''میرے بھی صنم خانے''، مشمولہ ''قرۃ العین: ایک مطالعہ'' مرتبہ ڈاکٹر ارتضی کریم، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء
۸۔ قمر، ناہید، ڈاکٹر، ''اردو فکشن میں وقت کا تصور''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء
۹۔ نسیم، محمد، ڈاکٹر، ''اردو ناول پر تقسیم ہند کے المیے کے اثرات''، پٹنہ: اجالا آفسیٹ، ۲۰۰۲ء